سُورَةُ النَّبَاء

عربی متن — بامحاورۃ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نُورالدین

مدیر

عَبدالمنان عُمر – امتہ الرحمٰن عُمر

سُورَةُ النَّبَاء ﴿۷۸﴾ - مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے

(میں سُورَةُ النَّبَاء پڑھنا شروع کرتا ہوں)

خلاصہ مضمون: یہ قرآن مجید کے آخری پارے کی پہلی سورۃ ہے۔ اس تیسویں پارے میں خصوصیت سے عقائد و ارکان اسلام کے دلائل نہایت قوت و شوکت سے بیان ہوئے ہیں۔ پھر اس میں بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو قیامت تک واقع ہونے والی ہیں۔ ان میں سے بعض کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہے اور بعض باتیں قبل اور بعض بعد قیامت یا بوقت قیام قیامت اپنی تجلی دکھانے والی ہیں۔ اس سورۃ میں خصوصیت سے جزا و سزا، قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کے منکروں کو واضح دلائل، قدرت کے نظاروں اور فطرت کے شواہد پیش کر کے ملزم کیا ہے۔ اس بارے میں منکروں کو جو استبعاد عقلی نظر آتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرت اور غیر محدود طاقت کو پیش کر کے رد کیا ہے اور ایک لمبے اور وسیع سلسلہ پیدائش کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ یہ سب کچھ کس طرح لغو اور فضول ہو سکتا ہے اور یہ کہ جس خدا نے انسان کی جسمانی ضروریات کے لیے اتنا وسیع سلسلہ قائم کیا ہے وہ اور اس کی روحانی ضروریات سے کس طرح غافل ہو سکتا ہے۔ جسے پچھلی سورۃ میں یوم الفصل کہا تھا اسے اب نباء عظیم کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ یہ اختلاف کفار کا باہم بھی تھا اور مسلمانوں کے ساتھ بھی۔ عقلمند انسان وہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی شخص کی تکلیف کی وجہ معلوم کرے تو اس سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ ایک نادان اس سے کوئی نصیحت اور عبرت نہیں حاصل کرتا۔ اس سورۃ میں اس کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ دنیا میں

عذاب آتے ہیں وہ سب پر کیوں نہیں آتے ہیں اور عام عذاب کیوں نہیں آتے۔ مرد آخر بیں مبارک بیں است.

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿١﴾

۱:۷۸۔ یہ (منکر تعجّب سے) کس (بات) کے متعلق ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں،

عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ﴿٢﴾ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿٣﴾

۲۔اس بڑی بھاری خبر کے بارے میں،

۳۔ جس کے متعلق (مسلمانوں سے اور آپس میں) اختلاف رکھتے ہیں۔

۲:۷۸۔ **عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ**: اس سے وقوع قیامت اور جزاو سزا کی اہم اور بڑی بھاری خبر مراد ہے (رازیؒ)۔ پھر اس سے قرآن مجید بھی مراد ہے (ابن عباسؓ)۔ اور اس سے آنحضرت ﷺ کا دعویٰ رسالت اور امر نبوت بھی مراد ہے کہ یہ بھی ایک بڑی بھاری خبر ہے۔ نبا اس اہم اور عظیم خبر کو کہتے ہیں جو بہت سے فوائد اور علمی منافع رکھتی ہو (رازیؒ، مفردات)۔

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥﴾

۴۔ یوں نہیں (جس طرح یہ سمجھ رہے ہیں) یقیناً یہ جان لیں گے،

۵۔ ہاں (ہم کہتے ہیں کہ اصل بات) یوں نہیں (جس طرح ان کا عقیدہ ہے)،

انہیں یقیناً معلوم ہو جائے گا۔

۷۸:۴۔ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ: یہ الفاظ دو دفعہ دہرائے گئے ہیں۔اس کی تشریح میں مشہور تابعی ضحاکؒ کہتے ہیں کہ اول میں کافروں کے متعلق وعید ہے کہ وہ سزا پائیں گے اور دوسری دفعہ میں یہ مضمون ہے کہ وہ نہ صرف اپنی ہلاکت دیکھ لیں گے بلکہ مسلمانوں کی فتوحات کا نظارہ بھی کریں گے۔کَلَّا بیان ما قبل کے ردّ کے لیے آتا ہے۔س کا لفظ شتابی پر دلالت کرتا ہے اور جلد تر کے معنی دیتا ہے۔ یہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قیامت کبریٰ کے ثبوت کے لیے اس سے پیشتر ایک اور قیامت خیز واقعہ جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ کا بھی ہوگا۔ جیسا دوسری جگہ فرمایا:وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ اور ہم انہیں اس بڑے عذاب سے پہلے (اس دنیا کا) چھوٹا عذاب دیں گے تاکہ وہ رجوع کریں(السجدة، ۲۱: ۳۲).

کَلَّا: از جر و توبیخ کا کلمہ ہے اور بیان ما قبل کے لیے آتا ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ایسے وقت کی نازل شدہ ہے جب آنحضرت ﷺ تنہا تھے۔اس وقت یہ عظیم الشان پیشگوئی دنیا کو سنائی گئی۔ اس طرح یہ نبوت کی صداقت اور قیامت کے ثبوت کے لیے بین دلیل ہے۔اس زمانہ کے مادہ پرست غور کریں کہ کیا کسی انسانی تدبیر اور فکر سے ایسی تحدی کے ساتھ اتنا بڑا دعویٰ دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیا ایسی عظیم الشان پیشگوئی کوئی شخص محض اٹکل سے کر سکتا ہے۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ﴿٦﴾

۶۔ کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا،

۷۸:۶۔ اَلَمْ نَجْعَلِ: جعل کے معنی ہیں پہلے پہل پیدا کیا اور بنایا۔ دوسری جگہ اس مضمون کے لیےوَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ (لقمٰن، ۳۱:۱۰) کا لفظ ہے۔ چونکہ قیامت کے وقوع اور قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی فتح میں استعبادِ عقلی اور ناممکن ہونا ظاہر کیا گیا تھا اس لیے اللہ

تعالیٰ کی قدرت کاملہ، سطوت اور جبروت کے چند ایک نظارے پیش کیے ہیں اور مشہور قدرتوں کا ذکر کیا ہے تاکہ عجز کا وہم دور ہو۔

الْاَرْضَ: کے معنی ہیں زور سے چکر کھانے والی۔ ہماری یہ زمین اپنے محور کے گرد بھی چکر کھاتی ہے جو چوبیس گھنٹے میں پورا ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بڑے زور کے ساتھ سورج کے گرد بھی گردش کرتی ہے۔ پھر یہ اپنے پورے نظامِ شمسی کے ساتھ کسی نامعلوم مقام کی طرف بھی بڑھ رہی ہے لیکن اتنی حرکتوں کے باوجود انسان کے لیے یہ گھوارے کا کام دے رہی ہے۔ اور سب دنیا پر ایک وقت میں بربادی نہیں آتی ورنہ سب بیک وقت ختم ہو جائیں۔

مِهٰدًا: زمین کو مھاد کہا ہے یعنی تیار کی ہوئی جگہ جس پر پھرا جاتا ہے (مفردات)۔ بمعنی ممهود ہے۔ اسم مصدر، اسم مفعول کے معنی بھی دیتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (البقرۃ، ۲۲:۲) معلوم ہوا کہ مھاد ہونا بھی زمین کی ایک صفت ہے اور فراش ہونا بھی ایک صفت ہے۔

وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا﴿۷﴾

۷۔ اور پہاڑ میخوں کے طور پر مضبوطی سے گڑھے ہوئے۔

۷۸:۷۔ اَوْتَادًا: اس لفظ سے جبال (پہاڑوں) کی مضبوطی کا اظہار بھی مقصود ہے اور یہ بھی کہ پہاڑ ثقل ارض کو ایک اندازہ پر رکھنے والے ہیں۔ آج کل کے سائنسدانوں نے بھی اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو وہ جنبش کرتی رہتی اور پہاڑوں ہی کے ساتھ زمین کی ابتدائی حالت تزلزل کا خاتمہ ہوا۔ پھر اس میں زمین کی پیدائش اور بناوٹ کی طرف بھی اشارہ ہے اور ان فوائد کی طرف توجہ دلائی ہے جو پہاڑوں سے اہل زمین کو حاصل ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ پہاڑوں کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَ اَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (النحل، ۱۵:۱۶)۔ میدکے معنی ہلنے اور چکر کھانے کے بھی ہیں اور غذا

دینے کے بھی۔ یہ ایک نہایت سچا فلسفہ ہے اور اس سچے فلسفے پر علوم جدیدہ اور حال کے مشاہدات بھی گواہی دیتے ہیں اور انہی مشاہدات سے ہم گزشتہ دیرینہ حوادثات کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ طبقات الارض کی تحقیقات اور مشاہدات سے اچھی طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ اس زمین کا ثبات و قرار اضطرابات اور زلازل سے، تکوین جبال و خلق کوہسار ہی سے ہے۔ علم طبقات الارض میں تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ زمین ابتدا میں ایک آتشیں گیس تھی جس کی بالائی سطح پر دھواں اور دخان تھا اور اس امر کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ (فصلت،۱۱:۴۱)، پھر وہ آتشیں مادہ اوپر سے بتدریج سرد ہو کر ایک سیال چیز بن گیا، جس کی طرف قرآن شریف ان لفظوں میں اشارہ فرماتا ہے: وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ (ھود،۷:۱۱)۔ پھر وہ سیال مادہ زیادہ سرد ہو کر اوپر سے سخت اور منجمد ہوتا گیا۔ اب بھی جس قدر اس کے عمق کو غور سے دیکھتے جائیں اس کا بالائی حصہ سرد اور نیچے کا گرم ہے۔ جب زمین کی بالائی سطح زیادہ موٹی نہ تھی اس وقت زمین کے اس آتشیں سمندر کی موجوں کا کوئی مانع نہ تھا اس لیے اس وقت حرارت زیادہ تھی اور حرارت حرکت کا موجب ہوا کرتی ہے اور زمین کی اندرونی موجوں سے بڑے بڑے مواد نکلے جن سے پہاڑوں کے سلسلے پیدا ہو گئے۔ آخر جب زمین کی بالائی سطح زیادہ موٹی ہو گئی اور اس کے ثبات و ثقل نے اس آتشی سمندر کی موجوں کو دبالیا تب وہ زمین حیوانات کی بود و باش کے قابل ہو گئی اسی لیے قرآن نے فرمایا: اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ (لقمٰن، ۱۰:۳۱)۔ اور اس کے بعد فرمایا: وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ۔ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ فرمایا: وَ تَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَۃً وَّ ہِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللہِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (النمل،۸۸:۲۷)۔ اور تو پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتا ہے کہ وہ مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادل کی طرح اُڑ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری قابل دید ہے جس نے ہر شے کو خوب مضبوط بنایا ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ پہاڑ تمہارے گمان

میں ایک جگہ جمے ہوئے ہیں اور وہ بادلوں کی طرح اڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ زمین کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ پھر پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے بنایا کہ ان میں سے برفیں پگھلیں، چشمے جاری ہوں، ندیاں نکلیں۔ پھر پانی مصفا ہو کر کنوؤں میں آئے پھر اس سے کھیت سرسبز ہوں اور ہماری غذا بنیں۔ یہ بھی علاوہ اس سلسلے کے ہے جو باران رحمت سے ہے جس کا ذکر اس سلسلہ طیبہ میں ہے جیسے فرمایا: وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (البقرۃ، ۲:۲۲)۔

وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ﴿۸﴾

۸۔ اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا بنایا ہے۔

۷۸:۸۔ اَزْوَاجًا: ا۔ نر کے ساتھ مادہ؛ ۲۔ عقلمند کے ساتھ بیوقوف۔ ایمان دار کے ساتھ کافر، نیک کے ساتھ بد، خوبصورت کے ساتھ بدصورت وغیرہ۔

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾

۹۔ اور تمہاری نیند ہم نے موجبِ راحت و آرام بنائی ہے۔

۷۸:۹۔ سُبَاتًا: سُبات کے کئی معنی ہیں؛ ا۔ راحت، ۲۔ نیند، ۳۔ انقطاع، ۴۔ تمدد اور کھولنا چنانچہ کہتے ہیں: سَبَتَتِ المَرئَۃُ شَعرَ ھَا، کہ عورت نے اپنے بال کھول کر پھیلا دیئے۔ نیند بھی قیامت کے ثبوت کے لیے روز مرہ کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ یہ ناقص موت ہے۔ کامل موت کے بعد انسان اسی طرح پھر اٹھایا جائے گا۔ انقطاع کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ نیند حرکات کو قطع کرنے کا موجب ہے جس سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ نیند منقطع ہونے والی ہے، دائمی چیز نہیں۔ بقدر ضرورت سونا انسانی صحت اور زندگی کے لیے مفید ہے۔ مبردؒ نے

اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ہم نے تمہاری نیند کو قطع یعنی خفیف بنایا ہے کہ اسے قطع کیا جاسکتا ہے بخلاف موت کے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا﴿۱۰﴾

۱۰۔اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ہے۔

۷۸:۱۰۔لِبَاسًا: راتوں کے سبات و آرام کی وجہ سے تھکے ماندے چہروں پر دوسری صبح جو تروتازگی اور رونق آجاتی ہے یہ بھی ایک قسم کا لباس ہے۔ پھر رات بندوں کے لیے بڑی پردہ پوش ہے۔

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴿۱۱﴾ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا﴿۱۲﴾

۱۱۔اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا ذریعہ۔

۱۲۔اور ہم نے تمہارے اُوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے ہیں۔

۷۸:۱۱۔ مَعَاشًا: ۱۔زندگی اور بیداری؛ ۲۔ذریعہ معاش؛ ۳۔وقت معاش (لسان العرب، مفردات، تاج العروس)۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا﴿۱۳﴾

۱۳۔اور ہم نے دُور سے روشنی اور گرمی دینے والا سورج بنایا ہے۔

۷۸:۱۳۔ وَّهاجًا: ۱۔روشن؛ ۲۔جس میں نور اور حرارت جمع ہو؛ ۳۔روشنی اور حرارت دے؛ ۴۔جس کی حرارت بڑی شدید ہو (مفردات؛ لسان العرب)۔یعنی سورج کی صفت ذاتی ہے کہ وہ وہاج ہے۔دیکھو سورج نہایت دور سے اپنی حرارت اور روشنی دے رہا ہے۔محمد رسول

اللہ ﷺ کو بھی قرآن میں سورج کہا گیا ہے (الاحزاب، ۴۶:۳۳)۔ اور آپ کی روشنی اور حرارت بھی زمین کے کناروں تک پہنچے گی اور ہمیشہ دنیا اس سے منور ہوتی رہے گی۔ اور اس کی مدد سے انسانیت کے بہت سے جوہر نئی قوت حاصل کر کے باہر آجائیں گے اور مَآءً ثَجَّاجًا روحانی بارش یعنی وحی الٰہی کے ساتھ مل کر دنیا ایک نئی زندگی کی درخشانی اور زندگی دیکھے گی اور کائنات اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے لہلہا اُٹھے گی۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾

لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا ﴿١٦﴾

۱۴۔ اور ہم نے گھنے بادلوں سے زور سے برسنے والا پانی برسایا ہے۔

۱۵۔ تاکہ اس کے ذریعے غلّہ اور نباتات نکالیں،

۱۶۔ اور گھنے باغ (اُگائیں)۔

۷۸:۱۴۔ الْمُعْصِرٰتِ: وہ بادل جن میں پانی بھرا ہوا ہو جو ٹپکنے کے قریب ہو۔ معصر اس لڑکی کو بھی کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو۔ ابن عباسؓ نے معصرات ہواؤں کو کہا ہے۔ اور بعض نے خود بارشوں کو (لسان العرب)۔

ثَجَّاجًا: جھڑی سے برسنے والا۔ ثجّ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ پہلے سورج کی تپش کا ذکر کر کے اب بارشوں کے برسنے کا ذکر کیا ہے کہ وہ حرارت ان بارشوں کا موجب بنتی ہے۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿۱۷﴾

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿۱۹﴾

۱۷۔ فیصلے کا وقت یقیناً مقرر ہے۔

۱۸۔ اس دن صوُر پھونکا جائے گا اور تم فوج در فوج ہو کر آؤ گے،

۱۹-اور آسمان کھول دیا جائے گا اور اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے،

۷۸:۱۷۔يَوْمَ الْفَصْلِ: ۱۔ قیامت۔ جنگ بدر قیامت و محشر کے لیے ایک بین دلیل ہے۔
۲۔ جنگ بدر جسے دوسری جگہ فرقان کہا ہے، حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور پہاڑ اُڑائے جائیں گے اور وہ ریت کے میدان ہو جائیں گے۔

۷۸:۲۰: وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ: جبال جبل کی جمع ہے یعنی پہاڑ۔ یہ لفظ عظیم الشان انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ بعض وقت ثبات کے معنی کے لحاظ سے جو اُس میں پائے جاتے ہیں (مفرداتؒ)۔ فراءؒ کا قول ہے کہ قوم کے سردار اور اُن کے علم کو جبل کہا جاتا ہے۔ اور طاقتور آدمی کے لیئے کہا جاتا ہے (لسان العرب)۔ آسمان سے نشانات کی بارش ہو گی اور جو بعض لوگ اور کفارِ مکہ جو بڑے بڑے پہاڑ بنے بیٹھے ہیں هبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گے۔

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ یقیناً جہنم ہی (ان کفار کی) پناہ گاہ ہے۔

۷۸:۲۱۔ مِرْصَادًا: مرصاد کے معنی ہیں قید خانہ، جیل خانہ، کمین گاہ۔

لِلطَّاغِينَ مَآبًا﴿۲۲﴾

۲۲۔ وہی سرکشوں کا ٹھکانہ ہے۔

۷۸:۲۲۔ لِّلطَّاغِيْنَ: یہ طاغی کی جمع ہے۔ سرکشی کرکے حد سے نکل جانے والا۔ اس کے مقابل میں متقی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حد بندیوں کے اندر رہنے والا۔

صادق آں باشد کہ ایام بلا   می گزارد با محبت باصفا

لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا﴿۲۳﴾

۲۳۔ وہ اس میں برسوں رہنے والے ہوں گے۔

۷۸:۲۳۔ اَحْقَابًا: یہ حقب کی جمع قلت ہے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ دس حقب۔ حقب کے معنی ہیں اسّی برس، ستر برس، ایک سو برس یا کم و بیش۔ اس کی جو مدت بھی ہو بہر حال وہ محدود اور ختم ہونے والی ہے۔ جس کے بعد دوزخی دوزخ سے نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا یہی تقاضا ہے۔ غرض جہنم غیر منقطع نہیں جیسا کہ جنت کہ وہ غیر منقطع ہے جس کے لے فرمایا : غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود،۱۰۸:۱۱)۔ حقب کے معنی قحط کے بھی ہیں۔ حقب علیھم کے معنی ہیں ان کا یہ برس قحط اور خشکی کا گزرا (زمخشریؒ)۔ یہ لوگ جہنم میں قحط کی حالت میں ہوں گے۔ جہنم دراصل ایک تادیب گاہ اور ہسپتال ہے جو انسان کی روحانی بیماریوں کا علاج کرکے اسے بہشتی زندگی بسر کرنے کے قابل بناتی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے جہنم کے غیر منقطع نہیں ہونے پر بہت سے دلائل دیئے ہیں اور متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث پیش کی ہیں۔ اقوال صحابہؓ میں سے ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اُس کے دروازے کھٹکھٹائے جائیں گے، اُس میں کوئی نہیں ہوگا۔ اور یہ اُس کے بعد ہوگا جو اُس میں احقاب تک رہ چکے ہونگے (ابن جریر

طبریؒ)۔اور شعبیؒ کا قول ہے کہ دوزخ دونوں گھروں میں بننے میں بھی جلدی بنتا ہے اور ویران ہونے میں بھی سب سے لدی ویران ہو گا (ابن جریر طبریؒ)۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾
إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾

۲۴۔نہ اس میں راحت پائیں گے اور نہ کوئی پینے کی چیز۔
۲۵۔مگر کھولتا ہوا یا نا قابل برداشت سخت ٹھنڈا پانی۔

۷۸:۲۴۔بَرْدًا: ا راحت؛ ۲۔ نیند؛ ۳۔ ٹھنڈک؛ ۴۔ سکون و ثبات (مقابیس،تاج)۔

جَزَاءً وِفَاقًا ﴿۲۶﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿۲۹﴾

۲۶۔ (یہ ان کے اعمال کے) مطابق بدلہ ہے۔
۲۷۔انہیں قطعاً کسی محاسبہ کا خوف نہ تھا۔
۲۸۔اور انہوں نے ہمارے احکام کی بڑی بے باکی سے تکذیب کی تھی۔
۲۹۔اور ہم نے ہر چیز کو (اعمال کی) کتاب میں محفوظ کر رکھا ہے۔

۷۸:۲۶۔جَزَاءً وِفَاقًا: وفاق کے معنی دو چیزوں میں مطابقت ہیں۔ جس طرح جنت کی نعمتیں اس دنیا میں نیک اعمال کا تمثل ہیں اسی طرح جہنم کی سزائیں بھی بداعمالیوں کا پرتو ہیں اور باہم مطابقت و مناسبت رکھتی ہیں۔ بداعمالی کی سزا جو ایک کیفیت رکھتی ہے وہی کیفیت آخرت

میں ایک جسمانی صورت اختیار کرلے گی۔ جس طرح جنت اس دنیا سے شروع ہو جاتی ہے یہی حال جہنم کا بھی ہے۔ اس طرح مخالفوں کو بتایا ہے کہ آج جو تم آیات اللہ کی تکذیب کرتے ہو اس کا انجام عذاب جہنم ہے۔ اس کا مزا عنقریب تم دنیا میں بھی چکھ لو گے۔ سائنسی اور فونو گراف وغیرہ کی ایجادات بتاتی ہیں کہ کس طرح حرکات واعمال کا ریکارڈ محفوظ ہو سکتا ہے۔ ایک طرف کھولتا ہوا پانی اور دوسری طرف سخت ٹھنڈا یخ بستہ پانی۔ یہ افراط و تفریط کی متناسب سزا ہے۔

فَذُوقُوا فَلَنۡ نَزِيدَكُمۡ إِلَّا عَذَابًا﴿۳۰﴾

إِنَّ لِلۡمُتَّقِينَ مَفَازًا﴿۳۱﴾ حَدَائِقَ وَأَعۡنَابًا﴿۳۲﴾

۳۰۔ سو (اپنے بداعمال کی سزا) بھگتو۔ ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔

۳۱۔ متقیوں کیلئے یقیناً کامیابی (مقدّر) ہے۔

۳۲۔ باغات اور انگور (کے تاکستان)،

۷۸:۳۰۔ نَزِيدَكُمۡ إِلَّا عَذَابًا: ابتدائے سورۃ میں سَيَعۡلَمُوۡنَ دوبار کہہ کر قریب ہی آنے والے عذاب کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اب خاتمہ سورۃ میں پھر عذاب قریب کا ذکر کیا ہے جو یوم بدر اور فتح مکہ کے دن کفار پر واقع ہوا اور توجہ دلائی ہے کہ اب بھی وقت ہے اصلاح کرلو۔ عذاب کی یہ پیشگوئیاں دنیا میں واقع ہو کر قیامت اور اس کے عذاب کے لیے ثبوت ٹھہریں۔ مقاتلؒ نے اس سے یوم بدر مراد لی ہے۔

وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور نوجوان ہم عمر،

۷۸:۳۳۔ كَوَاعِبَ: یہ كعبة کی جمع ہے۔ كعبين پاؤں کی دونوں ہڈیوں، ٹخنوں کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ کواعب سے مراد نوخیز، نوعمر عورتیں ہیں جن پر جوانی کا ابھار آگیا ہو (لسان)۔ محاورہ ہے: كعبة الجارية اور تكعبة الجارية لڑکی جوان ہوگئی۔

اَتْرَابًا: اس لفظ کا اصل ترب اور تراب ہے جس سے مطلب خاکساری اور انکساری ہے۔ طاغین کی سزا کے بالمقابل اتراب یعنی منکسر المزاج عورتوں سے جزاء اعمال خوب مناسبت رکھتی ہے۔ اتراب کے معنی ہم عمر اور ایک ساتھ مٹی میں کھیلنے والیوں کے بھی ہیں۔ کواعب سے مراد نوجوان ہم عمر ساتھی کے ہیں۔

وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿۳۵﴾

جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ ۖ

لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

۳۴۔ (مشروبات کے) چھلکتے ہوئے صاف جام۔

۳۵۔ وہاں نہ تو وہ لغو بات سنیں گے اور نہ تکذیب (کی گفتگو)۔

۳۶۔ انعام اور حساب کے رُو سے یہ تمہارے رب کی طرف سے جزا ہے۔

۳۷۔ (اس رب کی طرف سے) جو آسمانوں اور زمین کے درمیان کی موجودات کا رب ہے۔ بے انتہا رحمت والا۔ وہ اس سے کوئی خطاب نہ کر سکیں گے۔

۷۸:۳۴۔ كَأْسًا: کاس بھرے پیالے کو بھی کہتے ہیں۔ جو پیالہ کسی پینے کی چیز سے خالی ہو اسے کأس نہیں کہتے۔

دِهَاقًا: دھاق کے معنی ہیں لبالب جو چھلکنے لگے اور اس کے معنی پاک و صاف کے بھی ہیں (لسان العرب)۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے اسقنا و ادھق لنا یعنی ہمیں پلا اور خوب بھر کے پلا۔ دھاق کے معنی پے در پے کے بھی ہیں۔ ادھقت الحجارت ادھاقا میں نے پے در پے پتھر برسائے۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ
لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾
ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾
إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ
وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾

۳۸۔ (یہ اس دن ہو گا) جس دن کامل روح اور ملائکہ صف باندھ کر کھڑے ہوں گے۔
وہ (از خود) کوئی بات نہ کر سکیں گے مگر وہ جسے رحمان نے اجازت دی
ہو گی اور وہ درست بات کہے گا۔

۳۹۔ یہ دن آ کر رہنے والا ہے سو جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

۴۰۔ ہم نے تمہیں ایک قریب زمانے میں آنے والے عذاب کے متعلق متنبہ کر دیا ہے جس
دن انسان ان (اعمال) کو دیکھ لے گا جو اس کے قویٰ نے آگے بھیجے تھے
اور کافر پکار اُٹھے گا: اے کاش میں مٹی ہوتا۔

۷۸:۳۸۔ الرُّوْحُ: بیہقیؒ کی روایت میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ الروح سے مراد اسواح الناس ہیں (روح المعانی)۔ عطاءؒ، حسنؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ روح سے بنی آدم اور اس کی ارواح مراد ہیں۔ قرآن مجید میں روح کا لفظ کلام اللہ کے لیے بھی آیا ہے۔ اور جبریل امین کے لئے بھی۔ مجاحدؒ کا قول ہے کہ روح سے مراد خاص ملائکہ ہیں (روح المعانی)۔ یہاں مراد مومنین کی ارواح ہیں اور فرشتوں کا اُن کے ساتھ کھڑا ہونا اِس طرح ہے جس طرح جن و شیاطین بدکاروں کے ساتھ حاضر کیئیے جائیں گے۔ اس آیت سے عیسویت کے کفارہ کی تردید بھی ہے۔ جن پر روح کے لفظ کا اطلاق ہے وہ سب دست بستہ کھڑے ہیں کہ کلام کرنے کی مجال نہیں۔ کیا روح سے مراد صرف وہ اقنوم لیا جائے جس نے مسیحؑ کو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے جیسا کہ عہد نامہ جدید میں لکھا ہے اور پھر اس خود ساختہ بیٹے کی ایسی حالتِ زار ہوتی ہے کہ اس بیچارے کو بولنے تک کی جرأت نہیں۔ علاوہ اس کے رحمن کے معنی ہیں رحم بلا مبادلہ کرنے والا۔ گویا صفت رحمانیت اور کفارہ دنوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ صفت رحمانیت میں ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کا بھی ردّ ہے۔ یعنی جو رحم بلا مبادلہ کرتا ہے اسے مختلف جونوں میں انسان کو کتا، بلا بنا کر اپنا گھر پورا کر لینے کی کیا ضرورت ہے۔